

فلسفہ بعثت

<?xml encoding="UTF-8">

بسم الله الرحمن الرحيم

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث رسولا منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلل مبين۔

روایات میں مقام عالم و طالب علم بہت عظیم بیان کیا گیا ہے اور ان جملہ خطابات میں جہاں مقام علم و عالم ذکر کیا گیا ہے علماء اور طلباء کے فخر کیلئے یہی کافی ہے کہ ”العلماء ورثة الانبياء“ علماء وارث انبیاء ہیں۔ اگرچہ سب علماء ایک مرتبے اور ایک درجے کے نہیں ہیں، معصوم سے لیکر ایک معمولی طالب علم تک سب مصداق عالم ہیں لیکن مرتبہ ایک جیسا نہیں ہے، ذات خدا بھی عالم ہے اور انسان بھی لیکن مرتبہ علم ایک نہیں ہے جیسے علم ایک نہیں ہے ویسے ہی حفظ مراتب علم بھی ایک نہیں ہے۔ واضح ہے کہ میراث انبیاء مال و منال نہیں ہے اور تنہا چیز جو انبیاء کے پاس بہت کم نظر آتی ہے وہ یہی مال دنیا ہے۔ مال دنیا میں سے ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں کہ کسی کے لئے چھوڑے۔ انبیاء کے پاس جو اختصاصی شئی تھی وہ معارف دینی و دین الہی اور قانون الہی و آئین خداوندی ہے۔ پس اگر انبیاء سے کوئی چیز بعنوان ورثہ ہم تک پہنچی ہے تو وہ دین ہے اور علم۔ علاوہ از ایں، وارث بھی اس کو نہیں کہتے جو فقط ترکہ وصول کر لے بلکہ وارث ایک امین کو کہتے ہیں جو اگلی نسل کیلئے اس ترکہ کو محفوظ رکھتا ہے۔ اس لئے ایک اور حدیث میں منقول ہے ”العلماء ائمة الرسل“ علماء انبیاء کے امانت دار ہیں۔ انبیاء خدا کے امین ہیں اور علماء انبیاء کے امین ہیں یعنی اس امانت کے امین ہیں جو ذات حق تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعے انبیاء کے سپرد کی تھی۔ خداوند عالم نے ایک فرشتہ امین کے ذریعے اپنی یہ امانت انسان کو عطا کی ہے۔ جبرئیل امین اور رسول امین پر یہ دین نازل ہوا۔ بعثت سے قبل رسول اللہ کو جس لقب سے یاد کیا جاتا تھا وہ علی الاطلاق محمد امین تھا، مکہ میں اگر کوئی اس نام سے کسی کو پکارتا تھا تو سب کا ذہن حضرت کی طرف منتقل ہو جاتا تھا یعنی محمد ابن عبد اللہ یا دیگر القابات کے بجائے اگر فقط امین کہہ دیا جاتا تھا تو مکہ میں سب کو معلوم ہو جاتا تھا کہ مقصود کون ہے۔ پس امانت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمایاں و واضح صفت تھی۔ یہ امانت صرف یہ نہیں تھی کہ لوگ روزمرہ چیزیں یا مال دنیا آپ کے پاس بطور امانت رکھتے تھے اور آپ لوٹا دیتے تھے۔ اس سے کوئی امین نہیں بنتا چونکہ ساری دنیا بھی اگر کسی کے پاس بطور امانت رکھ دی جائے تو بھی اس امانت عظمیٰ کا مصداق نہیں بن سکتی جس کیلئے خداوند تبارک و تعالیٰ نے بطور خصوصی انسان کو ممتاز قرار دیا ہے کہ ہم نے اپنی امانت پیش کی ”على السموات والارض والجبال فابین ان يحملنها“ ”اناعرضنا الامانة“ ہم نے اپنی امانت پورے عالم ہستی کو پیش کی۔

قرآن مجید میں جہاں بھی ”سماوات والارض“ ایک ساتھ آئے ہیں وہاں مقصود کل ہستی ہے فقط زمین و آسمان یا ایک بلندی و پستی نہیں ہے۔

مادی و مجرد، فرشتہ و جن، نباتات و جمادات اور سب کچھ ”وما فیہا“ یعنی پورے جہان ہستی پر ہم نے اپنی امانت پیش کی۔ خصوصیت کیساتھ جبل کا ذکر کیا چونکہ جبل، انسان کیلئے ایک الگ حیثیت رکھتا ہے۔ اس تقامت، پائنداری، قدرت، توانائی جیسے الفاظ و صفات پہاڑ سے اخذ کئے گئے ہیں حتیٰ کہ انسان نے ہر زبان میں پائنداری،

واس تقامت کامحاورہ اورمثل بھی جبل سے مشتق کی ہے پہاڑ کی طرح اس تواریفت کو انسان کی جبلت کو اس ی وجہ سے کھاجاتا ہے کہ وہ راس خ ہوتی ہے۔ راس خ وہی شئی ہوتی ہے جو نفس میں مانند کوہ راس خ ہو۔ فطری چیزوں کو جبلی کھاجاتا ہے، جبلی یعنی پہاڑ کی طرح راس خ۔ پس پہاڑ انسان کیلئے رسوخ، اس تقامت، پائنداری، مقاومت، اس تقامت کا ایک مظہر ہے، انسان کو شناختہ شدہ جہان میں پہاڑ سب سے زیادہ باعظمت لگتا ہے۔ درحالیکہ پہاڑ زمین کا جزء ہے پھر بھی قرآن کریم نے بڑی خصوصیات کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اپنی امانت اس پر بھی پیش کی لیکن یہ امانت الہی کامتحمّل نہیں ہو سکا۔ ”فابین ان یحملنہا واشفقن منہا“ ہماری امانت سے ڈر گئے۔ امانت ایک مقام ایسا ہے جہاں انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ امانت کا منظر بہت وحشت ناک و دہشت آمیز منظر ہوتا ہے، نہیں اٹھائی انہوں نے امانت ”وحملہا الانسان“ لیکن انسان نے امانت الہی کے اٹھانے کا وعدہ کر لیا لہذا قرآن کی رو سے انسان پورے عالم ہستی پر ممتاز ہے۔

امانت

امانت کے کئی مراحل ہیں۔ علاوہ از اس امانت کے مقابل ایک اور واضح مفہوم ہے بنام خیانت۔ جسکو ہم متقابلین کی صورت میں اس تعامل کرتے ہیں۔ جتنے درجات امانت کے ہوتے ہیں اتنے ہی خیانت کے۔ ہم امانت کے بس ایک مرحلے اور مرتبے سے آشنا ہیں اور کثرت سے اس کو اس تعامل بھی کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اگر کوئی ہمیں کوئی چیز بعنوان ودیعہ و امانت سونپ دے اور اگر ہم اس کو نہ لوٹائیں تو اس کو خیانت کہتے ہیں اور اگر لوٹادیں تو امانت کہتے ہیں۔ امانت کے تین مرتبے ہیں :

(۱) حمل امانت

(۲) حفظ امانت

(۳) ادائے امانت

مرحلہ اول

سب سے پہلا کام امانتیں اٹھانا ہیں۔ حمل امانت سب سے اہم مرتبہ ہے۔ امانت اس شئی کو کہتے ہیں کہ اگر اسے حفظ نہ کیا جائے تو وہ ضائع ہو جائے۔ امانت کو امانت اس ی وجہ سے کہتے ہیں کہ امنیت کے بغیر باقی نہیں رہتی اس کے لئے امن فراہم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایمان، امانت، امین سب ایک ہی مادہ سے ہیں یعنی امن۔ وہی امن جسکو قرآن نے قریش کیلئے ایک نعمت عظمیٰ کے طور پر ذکر کیا ہے ”لایلاف قریش ایلفہم رحلة الشتاء والصیف“ ہم نے قریش کو جو نعمتیں عطا کیں ان میں سے ایک ”امن من الخوف“ خوف سے امنیت عطا کی۔ مومن کو مومن اس ی وجہ سے کھاجاتا ہے کہ مومن ایک ایسے اعتقاد اور ایمان کا حامل ہوتا ہے جسکی بنا پر وہ عذاب الہی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ایمان بھی درحقیقت ایک دفاعی حصار کا نام ہے جسمیں داخل ہو جانے سے مومن محفوظ ہو جاتا ہے ”کلمۃ لا الہ حصنی“ ایمان حصن یعنی قلعہ ہے۔ اس کے اندر جو آجائے ”امن من عذابی“ وہ مومن ہو جاتا ہے یعنی عذاب الہی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ”یا ولایۃ علی ابن

ابی طالب (ع) حصنی "ولایت علی ابن ابی طالب علیہ السلام حصن ہے قلعہ ہے جو اس ولایت میں داخل ہو جائے وہ مومن ہو جاتا ہے۔ بھر حال پہلا مرحلہ تحمل امانت ہے یعنی ایسی اشیاء کہ اگر انہیں امانیت نہ دی جائے تو ضائع ہو جائیں گی۔ پہلا مرحلہ حمل امانت ہے یعنی اپنے ذمے لینا۔ انبیاء علیہم السلام کاس ب سے بڑا مقام اس ی وجہ سے ہے کہ انہوں نے خود بڑھ کر یہ امور اپنے ذمے لئے۔ "العلماء ورثة الانبیاء" واقعاً دشوار ترین میراث بشریت میں یہی میراث انبیاء علیہم السلام ہے اور یہیں پر اس کے مقابلے میں مفہوم خیانت پایا جاتا ہے۔

اگر کوئی اس کائنات میں خداوند عالم کی خلق کردہ اشیاء کو بکھرا ہوا اور غیر محفوظ دیکھے اور انہیں محفوظ نہ کرے تو وہ خائن ہے۔ مفہوم اخص امانت میں خیانت کار، انسان ہے اور خدا کو خیانت کاروں کا علم ہے "خائنة الدين" اور "خائنة القلوب" خائنین کون ہیں؟ خیانت کار کون ہے؟ خائن وہ ہے جنہوں نے اللہ کی امانتیں اٹھائیں۔ بسا اوقات ہم اپنے آپ کو یا ہم جیسے اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے تو کچھ ذمہ نہیں لیا تھا لہذا ہم ذمہ دار بھی نہیں ہیں۔ یہیں سے یہ مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اپنے ذمے امانت خدا کا لے لینا انسان کو امین بناتا ہے اور غیر ذمہ دار بننا، اپنے ذمے کچھ نہ لینا، خیانت کا مصداق ہے۔ غیر ذمہ دار انسان اس لام کی روسے خیانت کار ہے جس نے اللہ کی امانتوں کو تحفظ نہیں دیا ہے خدا کی امانتیں کیا کیا ہیں، وہ کون سی چیزیں ہیں جو بغیر تحفظ کے ضائع ہو جاتی ہیں؟ ہر چیز کو تحفظ کی ضرورت ہے، اعتقاد کو تحفظ کی ضرورت ہے۔ تفکر کو تحفظ کی ضرورت ہے، قرآن کو تحفظ کی ضرورت ہے، اہلبیت (ع) کو تحفظ کی ضرورت ہے، مراکز دینیہ کو تحفظ کی ضرورت ہے، شخصیات دینی کو تحفظ کی ضرورت ہے، ہر چیز بنام دین محتاج تحفظ ہے۔ جب خداوند تبارک و تعالیٰ نے جناب موسیٰ (ع) کو فرعون کے پاس بھیجا کہ جاکر فرعون کو دعوت حق دو۔ آپ نے جاکر فرمایا کہ "ارسل معی بنی اس رائیل یعنی یہ بنی اس رائیل جو تیرے غلام ہیں ان کو میرے حوالے کر دے۔ ایک دوسرے مقام پر ہے "ارسل معی عباد اللہ" ان بندگان خدا کو میرے سپرد کر دے، یعنی حتی امت، مومنین، مسلمین امانت خدا ہیں۔ فرعون جیسوں کے چنگل میں ہوں اور ایک نبی بیٹھ کر تماشا دیکھتا رہے یہ ایک نبی کے شایان شایان نہیں ہے، موسیٰ (ع) کے شایان شان نہیں ہے کہ بنی اس رائیل کی بندگی برداشت کر سکے۔ لہذا جاکر امانت خدا کی واپسی کا تقاضا کیا کہ یہ امانت میرے حوالے کر دے، میں امین خدا ہوں۔

اس کو اقتدار پرستی نہیں کہتے، ریاست طلبی نہیں کہتے بلکہ اس کو امانت داری کہتے ہیں۔ اس ی وجہ سے خدا نے ان خائنین کو قرآن میں جا بجا رسوا کیا ہے۔

مرتبہ اول امانت کے مقابلے میں جو خائن ہیں بارہا قرآن نے ان کے چہرے سے نقاب اتاری ہے اور وہ جو اس مرحلے میں امانت دار ہیں قرآن نے ان کو بہت سراہا ہے مرحلہ اول کے امین قرآن کی زبان میں، اللہ کی زبان میں وصف مردانگی و شجاعت کے حامل ہیں "ومن المومنین رجال صدقوا" بہت ہی ظرافت و لطافت کے ساتھ مطلب بیان ہو رہا ہے۔ "مومنین ومن الناس" مومنون "لوگوں میں سے کچھ مومن ہیں" "من" تبعضیہ ہے یعنی کچھ مومن ہیں کچھ غیر مومن ہیں "ومن الناس مومنون" یعنی وہ مرحلہ آیت بیان نہیں کیا وہ محفوظ ہے، تقدیر میں ہے۔ تقسیم در تقسیم ہے۔ لوگوں میں سے کچھ مومن ہیں کچھ کافر ہیں۔ "ومن المومنین رجال" مومنوں میں سے کچھ مرد ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کچھ عورتیں ہیں، کچھ مومنات ہیں بلکہ انہیں مذکروں میں سے کچھ مرد ہیں۔ یہ مردانگی جسمانی مردانگی نہیں ہے بلکہ یہ روح کی مردانگی ہے۔ اس کو مروت کہتے ہیں۔ کون ہیں یہ؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ "صدقوا" انہوں نے سچ کر دکھایا ہے

اور تصدیق کردی ہے ”ما عہد اللہ علیہ“ اس عہد کی جو خدا کے ساتھ کیا تھا یعنی یہ ایک متعہد طبقہ ہے۔ عہد یعنی اپنے ذمے کچھ لے لینا، یعنی امانت۔

مرحلہ دوم

دوسرا مرحلہ حفظ امانت کا ہے اب جبکہ امانت الہی اٹھالی اپنے ذمے لے لی اور متعہد بن گئے تو اب اس عہد کو باقی رکھنا ہے۔ اس عہد کو حفظ کرنا ہے۔ حفظ امانت سنخ امانت ہی سے ہے جس طرح امانت ہوگی اس ی طرح اس کا تحفظ۔ اگر امانت ایک مادی چیز ہے مثلاً پیسہ اس کی حفاظت یہ ہے کہ بینک میں رکھ دیں اگر آپ کے پاس کسی کے زیورات ہیں تو اس کی امانت یہ ہے کہ کسی تجوری میں اس کو بند کر دیں۔ اگر آپ کے پاس امانت کسی کا راز ہے تو وہ بینک میں رکھنے کی چیز نہیں ہے۔ بعض امانتیں ایک خاص قسم کا تحفظ مانگتی ہیں۔ ان کے تحفظ کیلئے انسان کو کچھ اور اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ دوسرا مرحلہ حفظ امانت ہے۔ مضمون کی طوالت سے بچنے کے لئے فقط اتنا ہی۔

مرحلہ سوم

تیسرا مرحلہ ادائے امانت ہے۔ دین ہرنسل کے پاس ایک امانت خدا ہے۔ جس طرح جبرئیل امین کے پاس ایک امانت الہی ہے، انبیاء علیہم السلام کے پاس ایک امانت الہی ہے اور اس ی طرح معاصر نسلوں کے پاس بھی یہ دین ایک امانت ہے۔ اول انہیں تینوں مرحلوں میں امین ہونا چاہئے تھا، حمل امانت بھی کرتے، حفظ امانت بھی ان کا فریضہ تھا، ادائے امانت بھی ان کی ذمہ داری تھی، ادائے امانت یعنی اگلی نسل کو یہ دین اس ی طرح پہونچانا جس طرح جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہونچایا۔ کس طرح تحفظ کیا جبرئیل نے؟ حمل کیا، حفظ کیا اور ادا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمل کیا، حفظ کیا اور ادا کیا۔ آئمہ ہدیٰ (ع) بھی اس ی طرح۔ آج ہمارے پاس یہ مکتب تشیع، اس لام حقیقی، کیوں موجود ہے؟ یہ یہ اس لئے ہے کیونکہ کچھ امانت داروں نے، حفظ امانت، اور ادائے امانت کا لحاظ رکھا۔ سوال یہ ہے کہ یہ کام کون کرے؟ یہ کون لوگ ہیں؟ ان کی علامت کیا ہے جو امین ہوتے ہیں، یا یہ کہ آخر انبیاء علیہم السلام تمام انسانوں میں سے کیوں حفظ امین قرار پائے اور کیوں علماء کو تمام بشریت سے الگ کر کے انتخاب کیا گیا۔ دو خصوصیتیں ہیں ایک انبیاء میں ہے ایک علماء میں۔ علماء کی خصوصیت قرآن مجید نے ذکر کی ہے ”انما یخشی اللہ من عبادہ“ **العلماء** ”خوف خدا، یہ علامت ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ علماء خدا سے ڈرتے ہیں تاکہ جو بھی عالم کے لبادے میں ہو ہم کہیں کہ خوف خدا رکھتا ہے بلکہ برعکس ہے جو بھی خوف خدا رکھتا ہے وہ عالم ہے ”العلم نور یخذه اللہ فی قلبہ من یشاء“ روایت کی زبان میں علم نور ہے اور نورانی دل میں اترتا ہے۔ قرآن کی زبان میں عالم وہ ہے جس کے دل میں خوف خدا ہو اور انبیاء (ع) کیلئے جو صفت قرآن نے بیان کی ہے وہ یہی عنوان بعثت ہے۔

خوف خدا کیا ہے؟ خوف خدا کی علامت یہ ہے کہ جس کے دل میں خوف خدا ہو وہ غیر اللہ سے نہیں ڈرتا ”الذین یبلغون رسل اللہ“ وہ لوگ حامل پیغام خدا و مبلغ پیغام خدا ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فقط خدا سے ڈرتے ہیں وغیر از خدا کسی سے نہیں ڈرتے ”یخشونہ ولا یخشون

احدالالہ " فقط خداس ے ڈرتے ہیں اور خداس ے ڈرنے کی علامت یہ ہے کہ غیر اللہ سے نہیں ڈرتے چونکہ خوف خدامیں ہی موحدانہ خوف ہے۔ خوف خداتوحیدی خوف ہے یعنی یوں نہیں ہوسکتا کہ دو چیزوں سے ڈریں خداس ے بھی اور غیر خداس ے بھی۔ اگر کوئی خداس ے ڈرتا ہے تو غیر اللہ سے نہیں ڈرتا اور خصوصاً لوگوں سے۔ اس لئے انبیاء لوگوں سے نہیں ڈرتے تھے۔ لوگ سخت بیزار رہتے تھے لیکن انہوں نے لوگوں کی بیزاری کی پرواہ نہیں کی کیونکہ خوف خداتھا، خوف خدالوگوں سے ڈرنے کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ جناب موسیٰ (ع) اس ی لئے بہت شجاع تھے چونکہ خداس ے ڈرتے تھے کسی اور سے نہیں، فرعون سے نہیں ڈرے، اس کے لشکر سے نہیں ڈرے۔ انبیاء (ع) کو نہ صرف یہ کہ عوام نے دعوت نہیں دی، اس تقبال نہیں کیا بلکہ بیزاری کا اعلان کیا، اذیتیں دیں، ستایا اور طرح طرح کی مشکلات اور مصائب و آلام میں مبتلا کیا اس حد تک کہ بسا اوقات بہت ہی صابر انبیاء حتیٰ حضرت نوح (ع) جیسے صابرنبی کو اس قدر ان کی امت نے ستایا کہ آخر کار بارگاہ خدامیں جاکر آرزو کر بیٹھے کہ مجھے اس قوم سے جدا کر دے

۔ مرحلہ اول امانتداری میں انسان منتظر دعوت نہیں ہوتا۔ جب دیکھتا ہے کہ امانت خداپڑی ہوئی ہے تو جا کر اٹھا لیتا ہے۔ اگر آپ کو انبیاء کے واقعات پڑھنا ہے تو اس کے لئے قرآن میں قصے ہیں، قصص الانبیاء ہیں، اگر آپ کو انبیاء سے متعلق آیات پڑھنا ہیں تو قرآن میں ہیں، اگر تاریخ انبیاء پڑھنا ہے تو اس کے لئے تاریخ سے متعلق کتابیں تلاش کرنا ہونگی، اگر صفات انبیاء پہچاننا ہیں تو علم کلام میں جستجو کرنا ہوگی، اگر احکام انبیاء ملاحظہ فرمانا ہیں تو فقہ کے میدان میں داخل ہونا پڑے گا اور اگر انبیاء کرام کے صفات مجسم شکل و صورت میں دیکھنا ہوں تو دور حاضر حاضر کی عظیم الشان شخصیت امام خمینی کی جانب نظر اٹھانا پڑے گی۔

امام خمینی کو کس نے دعوت دی کہ آئیے آپ امانت خدا، دین خدا کا تحفظ کیجئے۔ پہلے یہ امانت اپنے ذمہ لیپھر خدا، دین خدا، آئین الہی کی حفاظت کریں پھر اس کو نافذ کریں اور اس کو اگلی نسلوں تک منتقل کریں۔ کسی نے دعوت نہیں دی تھی بلکہ اپنے اور غیروں نے سخت بیزاری اور نفرت کا اظہار کیا تھا۔ پہلے مرحلے میں امانتداری بہت اہم ہے۔ یہی نکتہ ہے کہ کون سی چیز ان کو اکساتی ہے کہ یہ کسی کے کہے بغیر، کسی کے اکسائے بغیر، کسی کے ڈرائے بغیر میدان میں اتر پڑتے ہیں۔ یہ طبقہ انبیاء نہایت فوق العادہ طبقہ ہے۔ اس طبقے کی خصوصیات جو قرآن نے ذکر کیں ہیں انسان انہیں پڑھ کر حیران و سرگردان ہو جاتا ہے۔ کیا لوگ تھے! کیا انسان تھے! کیا ہوا تھا انہیں؟! سب اپنے گھروں میں آرام سے رہ رہے ہیں کھا، پی رہے ہیں لیکن یہ بازاروں میں پتھر کھا رہے ہیں، منبر سے لعن و طعن سن رہے ہیں، معبدوں میں مورد نفرین واقع ہو رہے ہیں، جلاوطن کئے جا رہے ہیں اور مختلف میادین میں شہید ہو رہے ہیں، قتل ہو رہے ہیں۔ کیا انہیں عام لوگوں کی طرح ایک آسودہ زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا تھا؟ انہیں چین اور سکھ نہیں چاہئے تھا اپنی زندگی میں!! ان کو اہل و عیال کی آسائش نہیں چاہئے تھی یا یہ لوگ اس روش زندگی سے آشنا ہی نہیں تھے۔ کیا مشکل تھی ان لوگوں کے ساتھ؟ مشکل یہی مسئلہ بعثت تھا۔ جب ہمارے سامنے پوری امت ہو، ایک بہت بڑا ملک ہو فرض کریں پاکستان یا ہندوستان جیسا ایک ملک ہو اور جسمیں اس لام و مسلمین اور تشیع کی موجودہ صورت حال ہو تو اس موجودہ صورت حال میں کون آئے اور آکر اللہ کی یہ امانتیں اپنے ذمہ لے۔ کیا چاہئے اس کیلئے؟ آیا علم کافی ہے؟ ممکن ہے ہم میں سے بعض خوش فہم افراد بصورت غلط فہمی یا بد فہمی یہ سمجھ بیٹھیں کہ پڑھ لکھ کر انسان اس مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ پڑھنے لکھنے سے انسان امین نہیں بن جاتا۔ کتنا ہی بڑا پڑھ لکھ جائے، عالم دوراں بن جائے امین نہیں

بنتا۔ امین الہی کب بنتا ہے؟ وارث انبیاء (ع) کب بنتا ہے؟ اس کیلئے ہمیں انبیاء کی ذاتی روش کو دکھنا ہوگا کہ آخر انبیاء نے اس سلسلے میں کیا کیا اقدامات کئے۔ انبیاء (ع) کو خداوند تبارک و تعالیٰ نے مبعوث کیا ہے۔ بعث عربی زبان کا لفظ ہے۔

بعثت فرشتہ ہونے کو نہیں کہتے، رسالت ملنے کو بعثت نہیں کہتے، نبوت ملنے کو بھی بعثت نہیں کہتے

۔ بعثت کے لغوی معنی 'اکسانا، ابھارنا، بھڑکانا یا برانگیختہ کرنے کے ہیں اور یہ ایک ایسا فعل ہے کہ جسکو ہم اپنی روز مرہ زندگی میں عام طور پر انجام دیتے ہیں۔

مثلاً کسی کو کسی مومن کے خلاف بھڑکانا یا اکسانا لیکن مذکورہ صورت میں اکسانا ایک برا فعل ہے۔ علاوہ ازاں ہم کسی کو اکسانے یا بھڑکانے کے لئے ایسے موارد تلاش کرتے ہیں جنکے ذریعہ مفروضہ شخص کو بھڑکاس کیں یعنی جستجو کرتے ہیں کہ آخر وہ کون سی شے ہے جس سے متعلق وہ شخص حساس ہے اور اس ی شے کے ذریعہ اس کو بھڑکا دیتے ہیں اور وہ کیونکہ اس شے کی نسبت حساس ہوتا ہے بھڑک جاتا ہے۔ برانگیختہ لوگوں کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ یہ مصلحت اندیشی چھوڑ دیتے ہیں۔ اکسائے ہوئے لوگوں کو کبھی کہتے سنا ہے کہ ابھی حالات مناسب نہیں ہیں۔ آپ کسی آدمی کو بٹھائی اور خوب بھڑکائیں، خوب اکسائی اور اس کو عام زبان میں کہتے ہیں لال پیلا کر دیں۔ غصے میں بھڑکا ہوا یہ انسان باہر جا کر کیا تقریریں کرے گا، تالیفات کرے گا، تدریس کرے گا، غصے میں بھڑکا ہوا یہ انسان آخر کیا کریگا۔ بیپہرا ہوا یہ ایک انسان سو آدمیوں سے بھی ٹکراتا ہے اور ہرگز زبان پر یہ کلمہ نہیں لاتا کہ ابھی حالات مناسب نہیں ہیں حالات کی طرف اس کی اصلاً توجہ ہی نہیں ہوتی ہے۔ حالات یعنی چھ؟ اس کو کسی شے کی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ غلبہ، احساسات کا غلبہ ہے، برانگیختگی غالب آگئی ہے۔ جتنے مصلحت کوش شعبہ تھے وہ سب بند کر دئے گئے ہیں۔ برانگیختگی ایک ایسی شے ہے جو بہت سے انسانی شعبے بند کر دیتی ہے۔ بعض افراد ایسے ہوتے ہیں کہ جنکو بھوک لگی ہوتی ہے اور آپ ان کے سامنے بڑے لطیف انداز میں مثلاً بریانی کا تذکرہ کر دیتے ہیں یعنی آپ انکو بھڑکا دیتے، آپ انکی بھوک کو بھڑکا دیتے ہیں۔ اب ایسے شخص چین سے نہیں بیٹھ سکتے آپ لاکھ سمجھائیے کہ مہمان بیٹھے ہوئے ہیں تھوڑا صبر کر لیجئے۔ کیا مجال کہ وہ دو منٹ بھی سکون سے بیٹھ سکیں ایسے شخص بیپھرے ہوئے اور برانگیختہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے انسان آپ سے باہر ہو جاتے ہیں حتیٰ غیرت سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ایسے اشخاص کو روکنا پڑتا ہے نہ کہ دشمن سے لڑنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ کچھ لوگ جنکو ہزار جتن کر کے خدانے بھی دیندار ی سکھائی ہے، خدا کو بھی کئی جتن کرنے پڑے۔ اس قدر بے حس، بے غیرت ہوتے ہیں کہ خدا نے کبھی انہیں جنت کی لالچ دلائی کبھی باغات کی، کبھی شہد کے بارے میں بیان فرمایا تو کبھی دودھ کے بارے میں۔ آخر انکو کچھ تو اچھا لگتا ہوگا۔

خدا کے ہاتھوں اگر کوئی بھڑک جائے تو خدا اس کی فطرت کو ابھار دیتا ہے۔ اس کے فطری تقاضوں کو ابھار دیتا ہے۔ اس کی خدا خواہی کو، اس کی محبت و مودت و عشق کو بھڑکا دیتا ہے۔ کبھی بھڑکا ہوا عشق دیکھا ہے؟ ہم نے بھڑکی ہوئی شہوتیں اور غیظ و غضب دیکھے ہیں لیکن بھڑکا ہوا عشق نہیں دیکھا۔ بیپہرا ہوا عشق دیکھا کبھی؟ بیپہرا ہوا عشق کربلا میں نظر آتا ہے، خدا کے برانگیختہ افراد جن کو اللہ نے اکسادیا۔ ساری دنیا روکتی رہی نہ جاو۔ سب کہتے رہے نہ جاو۔ شب عاشورا، یہ واقعہ بہت اہم اور قابل غور واقعہ ہے۔ سید الشہدا علیہ السلام نے اپنے صحابیوں کو کربلا سے چلے جانے کا شرعی جواز دے دیا تھا لیکن ہم ہیں کہ ہمیں اپنی جان

چھڑانے کے لئے فقط ایک فتوائے فقیہ کافی ہوتا ہے چاہے اصلاً فقیہ کی فقاہت ہی کیوں نہ مشکوک ہو ۔ لیکن ہم جان چھڑانے کیلئے ایک مشکوک فقیہ کا مشکوک فتویٰ بھی کافی سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا وظیفہ شرعیہ نہیں ہے ، یہ ہم پرعائد نہیں ہوتا، چونکہ ہمارے فقیہ نے کہہ دیا لہذا یہ ہمارا شرعی وظیفہ نہیں ہے ۔ سید الشہداء علیہ السلام فقیہ نہیں تھے، ایک مجتہد نہیں تھے بلکہ خود اصل منبع شریعت تھے ، خود مقام شریعت اس لام پر تھے ، تشریع دین کا منبع تھے ۔ خود تشریع دین تھے ۔ شریعت کہہ رہی ہے کہ آپ چلے جائیں ۔ ہمارے جیسے ایک فتویٰ کے جواز پر اپنی ذمہ داری سے پہلو تھی کرنے والے اگر کربلا میں ہوتے تو فتووں کا سہارا لیکر نہ جانے کتنی ذمہ داریوں کو خدا حافظ کہہ دیتے ۔ کربلا میں ہر صحابی نے اٹھکر کہا تھا کہ ہم جان بچانے نہیں بلکہ جان دینے آئے ہیں ۔ یہ کون لوگ تھے ؟ انہیں کیا ہو گیا تھا ؟ جب سب جان بچانے کی فکر میں تھے یہ جان دینے کی فکر میں تھے ۔ یہ وہ لوگ تھے جو بیہرے ہوئے تھے ، برانگیختہ تھے ۔ کربلا میں ایسے واقعات ملتے نہیں جہاں سید الشہداء علیہ السلام نے بذات خود بعض صحابیوں کو برانگیختہ کیا تھا ، اکسایا تھا جنمیں سے ایک وہب کلبی بھی ہیں ۔

انبیاء (ع) کو خدانے مبعوث کیا ہے نہ کہ صرف ارسال کیا ہے، روانہ کیا ہے۔ ”ارسل“ کا مطلب اعزام نہیں ہے ۔ مبعوث کیا ہے یعنی خدانے ان کو دین اور معارف دینی پر ایسا برانگیختہ کیا ہے کہ اب ان انبیاء (ع) کو کوئی روک نہیں سکتا۔ یہاں دعوت کی ضرورت نہیں ہے۔ بے شک لوگ نہیں مانتے نہ مانیں ۔ ایک برانگیختہ شخص کولوگوں کی پرواہ نہیں ہوتی ۔ لوگوں کی پرواہ اس کو ہوتی ہے جسکو لوگوں نے دعوت دی ہو لیکن جسکو خدانے برانگیختہ کیا ہو اس کو ان چیزوں کی پرواہ قطعاً نہیں ہوتی

جیسا کہ گزر چکا ہے برانگیختگی کی ایک علامت ہے کہ اس کو روکنا پڑتا ہے ”یا ایہا المزمّل قم اللیل الاقلیلا“ ہمیں حدیثیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں کہ نماز شب بھی پڑھا کرو ، مستحبات بھی ادا کیا کرو ، نماز واجب اپنے وقت پر پڑھا کرو ، درس میں بھی آیا کرو، ہمیں سدھارنے کیلئے تعلیم کے ساتھ ساتھ نہ جانے کتنے درس اخلاق رکھے جاتے ہیں لیکن کیا ہوتا ہے ، کچھ بھی نہیں ۔ خدا کا اکسایا ہوا انسان وہ ہے کہ اس قدر نمازی ہے کہ خود خدا کو روکنا پڑتا ہے کہ ”قم اللیل الاقلیلا“ تھوڑی نماز پڑھو ، تھوڑی عبادت کرو ۔ امانت خدایعنی بندگان خدا ۔ ان کو ہدایت کرنا ہے، یہ بھی امانت ہے ، دین امانت خدا ہے مخلوق بھی امانت خدا ہیں ۔ یہ امانت اس امانت تک پہنچانی ہے ”لعلک باخع نفسک“ اے رسول ! آپ نے تو ان لوگوں کی ہدایت کی خاطر اپنے نفس کو ہی پریشانی میں ڈال دیا ہے ۔ ہم نے یہ قرآن اس لئے آپ پر نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ دیکھئے خدا کو روکنا پڑا۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو روکنا پڑتا ہے کہ تھوڑا کام کرو۔ کچھ ہم جیسے ہوتے ہیں جنکو ہزار زحمتوں سے اکسانا پڑتا ہے تب کہیں جاکر ایک دو کام کرتے ہیں ، پھراتر اتے ہیں کہ واہ! کیا دین کی خدمت کردی ! اگر وارث نبی بننا ہے تو سب سے پہلے بعثت کو سمجھنا ہوگا ۔ سب سے پہلے برانگیختگی پیدا کرنی ہوگی اور یہ برانگیختگی ! انسان اگر آئے اور تھوڑا سا قرآن سے آشنا ہو تو قرآن خود برانگیختہ کر دیتا ہے ، قرآن یہ شعلہ انسان کے اندر پیدا کر دیتا ہے اور اہلیت (ع) خصوصاً کربلا، کربلا بعثت ابدی کا نام ہے ، تمام انسانوں کو مبعوث کرنے کیلئے عنصر کربلا بہت اہم عنصر ہے ۔ ہمارے معاشرے محتاج بعثت ہیں ۔ یقین کیجئے ہماری یہ رسمی تعلیم اور مروجہ تعلیمی نظام ہمیں کہیں نہیں لے جا سکتا بلکہ اس سے تو ہماری حالت مغلوبہ قوم جیسی ہو گئی ہے

۔ ہر صغیر بلکہ ساری دنیا میں ایسا ہی ہو رہا ہے ہم اپنے معاشرے کی بات کریں کیونکہ ہم اس سے زیادہ قریب اور مانوس ہیں ۔ وقت معینہ پر آنا ، پڑھنا ، پڑھ کر چلے جانا ، کوئی عہدہ یا منصب سنبھال لینا ، یہ سب ہماری حالت مغلوبہ قوم جیسی ہو گئی ہے

۔ ہر صغیر بلکہ ساری دنیا میں ایسا ہی ہو رہا ہے ہم اپنے معاشرے کی بات کریں کیونکہ ہم اس سے زیادہ قریب اور مانوس ہیں ۔ وقت معینہ پر آنا ، پڑھنا ، پڑھ کر چلے جانا ، کوئی عہدہ یا منصب سنبھال لینا ، یہ سب

اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ ہم اپنے دل کو تسلی دے لیں کہ ہم بھی خدمت دین کر رہے ہیں ۔ دین کے اوپر بار بننا کچھ اور ہے اور برانگیختہ ہو کر دین کی، مخلوق خدا و خلق کی خدمت کرنا کچھ اور ہے ۔ خصوصاً اُس معاشرے میں جہاں ضلال مبین ہو ”ہوالذی بعث فی الامیین رسولا“ ایسے معاشرے میں رسول پیدا کیا کہ ”وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین“ خصوصاً جہاں کھلم کھلا وعینی و آشکار گمراہی ہو ۔ ہمارا معاشرہ سو فی صد اس ی کامصداق ہے۔ عقیدتی گمراہیاں، اخلاقی گمراہیاں، تہذیبی گمراہیاں، تاریخی گمراہیاں اور نہ جانے کون سی گمراہیاں ۔ ان ساری گمراہیوں کو، اس ضلال مبین کو، اس کھلی ہوئی گمراہی کو فقط یہی مذکورہ بعثت قابو میں کر سکتی ہے، ختم کر سکتی ہے ۔ نمونہ موجود ہے۔ مکہ سے زیادہ گمراہی اور کہاں تھی کہ جہاں کی گمراہی، جہاں کی جہالت ساری دنیا میں ضرب المثل تھی۔ اگر بعثت، مکہ کی جہالت ختم کر کے اس کی جگہ آئین خدا نافذ کر سکتی ہے تو ہندوپاک کی سرزمین پر بھی کیوں نہیں ! اگر مبعوث علماء آجائیں یعنی برانگیختہ علماء جو خدا کی طرف سے قرآن کریم اور اہلبیت علیہم السلام کی جانب برانگیختہ ہوں تو یقیناً ہمارے یہاں بھی قرآنی اور اس لامی قوانین و احکام نافذ ہو سکتے ہیں ۔ انشاء اللہ تعالیٰ